ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

اُردو افسانوں میں صوفیانہ عناصر کی پیش کش۔۔۔ تجزیاتی مطالعہ

ڈاکٹر ساجدہ پروین

وزٹنگ اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو

گورنمنٹ کالج برائے خواتین یونیورسٹی، فیصل آباد

ڈاکٹر محمد اعجاز تبسم

اسسٹنٹ پروفیسر

شعبہ اردو

لاہور گیریژن یونیورسٹی لاہور

ڈاکٹر اظہر حسین خان

وزٹنگ لیکچرار، شعبہ اُردو

منہاج یونیورسٹی، لاہور

Abstract:

Sufism has a special importance in Islam and then according to Islamic thinkers, that person is successful who will have the degrees of Sufism and Hazrat Data Ganj Bakhsh also mentions them. Among them are Sufi, Sufi and Sufi. That is, those people who are convinced of the inner rather than the outer, and the will of Allah is included in their inner. They do all the work as a servant of God's will. Their desires are subordinated to the real creator instead of the self. Similarly, in the path of Sufism, the Shari'ah continues, which highlights the various verses about perfect monotheism, love and piety. Exhorts to walk and turn away from evil.

Keywords:

راشد الخیری، صوفیانہ عناصر، پریم چند، ترقی پسند تحریک، سعادت حسن منٹو

راشد الخیری کو بچپن سے ہی کھیل اور مضامین پڑھنے اور لکھنے کا شوق تھا اس وجہ سے نہ وہ زیادہ تعلیم حاصل کر سکے اور نہ ہی زیادہ دیر ملازمت اختیار کر سکے ملازمت ملی تو تھی لیکن کچھ عرصے بعد اس کو خیر آباد کہہ دیا اور پھر ناول لکھنے شروع کر دیے جس کو آہستہ آہستہ پذیرائی ملنی شروع ہو گئی۔ انھوں نے افسانے بھی لکھے اور اس دور میں لکھے جب برصغیر میں ہر طرف مذہبی تعصب عروج پر تھا آپ نے مسلمانوں کے حق میں افسانے لکھے ڈاکٹر انوار احمد اپنی تصنیف "اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ" میں رقم طراز ہیں:

"مولانا راشد الخیری کا نقطہ نظر یہ تھا کہ اسلام تمام انسانوں کی دلجوئی خدمت خلق، کشادگی قلب اور رحم و انصاف کا مذہب ہے۔"(۱)

آپ ہندو مسلم فسادات پر بہت زیادہ پریشان تھے کیوں کہ ان کا خیال تھا کہ اگر حالات ایسے ہی رہے تو آزادی کا حاصل کرنا نہ صرف مشکل بلکہ ناممکن بھی ہو جائے گا۔ اس دور میں طرابلس پر اطالویوں نے حملے کیے جس کی وجہ سے انسانی زندگی اور زیادہ پریشانی کا باعث بن گئی۔ اس دور میں راشد الخیری نے اپنے افسانے میں اسلام کی تاریخ اور روایات کا رنگ بھی شامل کیا ہے۔ ان افسانوں میں "شہید مغرب" میں انھوں نے قوم کو اسلام کی تہذیب کی حفاظت کرنے کے لیے ہر قربانی سے گریز کرنے سے اجتناب کرنے کا سبق دیا ہے اور ان

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

مشکلات میں مسلمان صرف اور صرف اپنی نظر خداوند تعالیٰ کی طرف کرتے ہیں۔اس سلسلے میں علامہ راشد الخیری اپنی تصنیف ''شہیدِ مغرب کے افسانے میں'' میں رقم طراز ہیں:

''خدا کی رحمتیں اور آسمانی برکتیں نازل ہو رہی تھیں۔اس گروہ پر جس کے افراد تفرقہ باہمی دور کرنے کی کوشش میں تھے۔یہ مظلوم انسان اپنے دماغ کی فریاد حاکم حقیقی کے حضور میں لے کر جا رہے تھے کیسا دلفریب وقت تھا کہ متواتر تکلیفوں سے اکتا کر ہاتھ اٹھائے ملتجی رحمت تھے۔''(۲)

مسلمانوں کا یہ سلوک ان لوگوں کے ساتھ تھا جو ان کے دشمن تھے لیکن مسلمان تفرقے کے حق میں نہیں تھے وہ تو اب بھی آپ کی ہدایت پر عمل کر رہے تھے۔یعنی بھائی چارے کی تعلیم پر عمل کر رہے تھے لیکن اطالیہ والوں کا ظلم حد سے بڑھ رہا تھا۔وہ کسی بھی اسلامی عمل کو دیکھنے سے قاصر تھے وہ تو بس اپنا ظلم ڈھانے پر مجبور تھے۔جب افسانے کا رواج عام ہوا تو اکثر لوگوں کا خیال تھا کہ کیا افسانہ زندگی کی پیچیدگیوں کو بیان کر سکے گا کیوں کہ یہ تو مختصر ہوتا ہے لیکن ان کا خیال درست نہیں تھا کیوں کہ افسانہ زندگی کی پیچیدگیوں کو کم کرنے کے لیے ہی چنا گیا تھا۔اس نے بہت جلد اردو ادب میں اپنا مقام و مرتبہ حاصل کر لیا۔اردو کے اوّلین افسانہ نگاروں میں پریم چند کو یہ اعزاز حاصل ہے کہ انھوں نے کہانیوں کو افسانوں کے موتیوں میں پرونا شروع کر دیا اس وقت جاگیر داری نظام کے خلاف آواز اٹھانا ایک میدان فتح کرنے کے مقابل تھا لیکن پریم چند نے اس انداز سے معاشرے کی داستانوں میں اپنی قلم کی نوک سے رنگ بھرے کہ دوسرے افسانہ نگار بھی افسانہ لکھنے کی طرف مائل ہونا شروع ہو گئے۔اس سلسلے میں پروفیسر سید وقار عظیم اپنی تصنیف میں کچھ یوں لکھتے ہیں:

''یہی دن تھے جب مختصر افسانہ اردو میں آیا پریم چند نے اردو کے افسانہ نگاروں میں اس بات کو سب سے پہلے محسوس کیا۔یہ بات تو شاید ان کے بس کی نہیں تھی کہ نئی تہذیب جن چیزوں کو خوبصورت بنا کر لوگوں کے سامنے لا رہی تھی اس پر پردہ ڈال دیتے ہاں البتہ یہ جادو ان کے پاس موجود تھا۔''(۳)

پریم چند سے پہلے یلدرم نے اس صنف پر طبع آزمائی کی اور ان کو افسانے کا سُرخیل تصور کیا جاتا ہے کیوں کہ انھوں نے افسانے کو رومانی روپ عطا کیا۔لیکن وہ افسانے کی تکنیک پوری طرح استعمال کرنے سے قاصر رہے ہیں۔ان کے بعد جوش کے افسانے یلدرم کی تقلید کرتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔لیکن جب وقت پلٹا اور ہر طرف سرکاری نظام اور من مانی چلنے لگی تو یہ جلیانوالہ کا حادثہ ہی تھا کہ کہانیوں کا رخ رومانویت سے مڑ کر ایک نیا روپ اختیار کر گئیں۔اس کے بارے میں ڈاکٹر انور سدید اپنی تصنیف ''اردو ادب کی تاریخ'' میں لکھتے ہیں:

'' ان کے افسانوں پر قومی اور سیاسی رنگ غالب آ گیا آخری دور میں ان کا مقصد صرف کہانی بیان کرنا نہیں بلکہ ان حقائق کو بے نقاب کرنے کے لیے وہ افسانے کا میڈیم استعمال کرنے لگے تھے۔''(۴)

پریم چند نے ترقی پسند تحریک میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا اور اپنے افسانوں میں سیاسی و سماجی برائیوں کو اس انداز سے بیان کیا کہ پڑھنے والا اس احساس کو اپنے اندر جاگتا دیکھتا اور لطف اندوز ہوتا۔ان کے افسانوں میں اگرچہ دیہاتی رنگ غالب ہے لیکن اس زمانے میں چوں کہ مشرقی اور مغربی تصادم پورے زوروں پر تھا۔مغربی قدروں کے ذریعے زندگی کو ایک نئی سوچ ملی اپنی دو تہذیبوں کی وجہ سے گھریلو ماحول میں جو بے چینی اور مسائل پیدا ہوئے اسی سوچ اور گھریلو زندگی کو نیاز نے اپنے افسانوں کا موضوع بنایا اس کے علاوہ نیاز نے مولویوں کی چالاکیوں کو بھی بے نقاب کیا ہے۔ڈاکٹر محمد حامد چھپروی اپنی تصنیف ''اردو افسانے کا ارتقا'' میں لکھتے ہیں:

''نیاز نے مذہب کی ظاہر داری اور نام نہاد مولویوں کی عیاری کو بھی اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔''(۵)

نیاز نے اپنے اکثر افسانوں میں ان صوفیا کو موضوع بنایا ہے جو اسلام پر نعوذ باللہ تہمت لگا کر اس کو مختلف طریقوں سے بدنام کرنے کی تدبیریں کرتے ہیں اس طرح نیاز نے ان کے چہرے بے نقاب کر کے لوگوں کی نااہلی کا خاتمہ کرنا چاہا ہے تاکہ لوگ ان کی چالاکیوں کا علم رکھیں اور ان کی عیاریوں کا شکار ہونے سے بچ جائیں۔نیاز کا افسانوی مجموعہ جمالستان جو ۱۹۴۴ء میں شائع ہوا، جو ۲۲ افسانوں پر مشتمل ہے اور تقریباً تمام افسانے اپنے اندر متصوفانہ رنگ لیے ہوئے ہیں۔کچھ افسانوں میں کردار پہلے کڑ قسم کا مذہبی آدمی ہوتا ہے لیکن آہستہ آہستہ اس کے اندر دنیا کا رنگ غالب آنے لگتا ہے اور وہ اپنے عقیدے کو اپنی تمام مشکلات کا باعث سمجھتا ہے۔نیاز فتح پوری اپنی تصنیف ''جمالستان'' میں لکھتے ہیں:

''اسلم کی تعلیم و تربیت اس کے باپ نے اہتمام سے کرائی تھی اور اسلامی فرائض کی پابندی کا گہرا نقش اس کے دل میں چھوڑ گیا۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

یہاں تک کہ کالج کے زمانے میں سب سے الگ صوفی طرز کا آدمی اگر تھا تو وہ صرف اسلم۔"(۶)

اسلم ایک سخت قسم کا صوفی تھا لیکن جیسے ہی اس کی زندگی میں مشکلات آنی شروع ہوتی ہیں تو وہ اپنے عقیدے کو ان مشکلات کا باعث خیال کرتے ہوئے اپنا عقیدہ بدلنا شروع کرتا ہے تو سب سے پہلے اپنی وضع کو بدلتا ہے، یعنی داڑھی کو کٹوا دیتا ہے۔ بظاہر تو یہ کام اس سے اس کا نفس کرواتا ہے لیکن وہ سمجھتا ہے کہ ایسا کرنے سے وہ مشکلات پر قابو پالے گا لیکن ایسا ناممکن ہے۔ حقیقت میں اس دور میں نیاز کے افسانے ایک مختلف رنگ لیے ہوئے اور اہمیت کے حامل ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ انھوں نے سیاست کی سیاہ کاریوں کو بھی بے نقاب کیا۔ منٹو مغرب میں صنف اول کے افسانہ نگار چیخوف اور موپساں مانے جاتے ہیں۔ ان کی تقلید کرتے ہوئے منٹو نے بھی افسانے تحریر کیے۔ ۱۹۳۶ء سے پہلے چوں کہ یہ تراجم کا دور تھا اس زمانے میں فورٹ ولیم کالج میں مختلف تصانیف کے اردو تراجم ہوئے ان میں پریم چند، نیاز فتح پوری اور حیدر یلدرم کے نام اولیت پر ہیں۔

اردو میں ترقی پسند تحریک کا آغاز ۱۹۳۶ء میں ہوا اور منشی پریم چند اس کے صدر منتخب ہوئے یہ اجلاس لکھنو میں ہوا۔ اس تحریک نے اردو افسانے کو آگے بڑھانے میں بہت مدد کی۔ اس تحریک کے بعد بہت سے افسانہ نگار سامنے آئے ان میں کرشن چندر، عصمت چغتائی، راجندر سنگھ بیدی، علی سردار جعفری، اوپندر ناتھ اشک، ظہیر سجاد سعادت حسن منٹو، حیات اللہ انصاری شامل ہیں۔

ان افسانہ نگاروں نے اپنے قلم کے ذریعے عوام الناس کو نہ صرف متاثر کیا بلکہ ان کے اندر ایک نئی سوچ بھی پیدا کی اسی طرح وقت گزرتا گیا اور تقسیم ہند کے بعد افسانے کے موضوعات بھی بدل گئے کیوں کہ معاشرے میں ہر طرف قتل وغارت اور ہجرت کا دور دورہ تھا۔ ہندو ظلم و جبر ہر طرف عام تھا یہی افسانے کے موضوع تھے اور اس وجہ سے افسانے تعطل کا شکار ہونے لگے اس کے باوجود کچھ ایسے افسانہ نگار ضرور موجود تھے۔ جنھوں نے ان حالات میں بھی محبت اور انسانیت کا درس دیا ان میں کرشن چندر سعادت حسن منٹو، احمد ندیم قاسمی اور کچھ اور افسانہ نگار شامل ہیں۔ اس بارے میں پروفیسر گوپی چند نارنگ اپنی تصنیف اردو افسانہ روایت اور مسائل میں رقم طراز ہیں:

> "منٹو کے موضوعات بھی موپساں کی طرح انسان کے وحشیانہ جذبات سے تعلق رکھتے ہیں۔ منٹو نے پہلے پہل رسالوں کے روسی اور فرانسیسی نمبر مرتب کرتے ہوئے مغربی افسانوں کے اثر کو قبول کیا ہوگا۔"(۷)

اسی طرح دوسری جگہ گوپی چند نارنگ اپنی تصنیف "اردو افسانہ روایت اور مسائل" میں کرشن چندر کے بارے میں لکھتے ہیں:

> "کرشن چندر کے پاس ذہانت تھی کسی چیز کا فوری اثر قبول کر لینے والا ایک زور نویس، تیز رفتار قلم چلتی ہوئی رنگین زبان جس سے انھیں اظہار میں کوئی مشکل نہیں ہوتی تھی۔ لہٰذا وہ جس مغربی افسانے سے بھی متاثر ہوئے اس طرز کے افسانے کو فوراً اردو میں منتقل کیا۔"(۸)

ان ادیبوں نے فرضی طور پر مغربی اثرات قبول کیے تھے کیوں کہ اس عہد میں مغربی تحریروں اور ان کی تصانیف عام تھیں اس لیے بہتر یہی تھا، انھی کے اثرات کی صورت میں ان کا جواب دیا جائے۔ چنانچہ ان ادیبوں نے کامیاب راہ یہی تلاش کی کہ ان کے اثرات کو اپنی تحریروں کا ذریعہ بنالیا۔ انھوں نے دیہات نگاری کو خوبصورت انداز سے بیان کیا۔ اس میں امیر اور جاگیر دار طبقے، کسان اور دوسرے مناظر کو اپنی تحریروں کا حصہ بنایا۔ پریم چند اس لیے مشہور ہیں کہ ان کی تحریروں میں دیہات نگاری اس انداز سے بیان کی گئی ہے کہ اس میں شامل کرداروں سے ہمدردی اور انسان دوستی جاگنے لگتی ہے۔ یہیں سے افسانوں کے موضوعات میں تصوف نظر آتا ہے۔ "مجموعہ منشی پریم چند" میں سے اقتباس ہے:

> "دینا ناتھ اب پکا خدا پرست ہو گیا تھا۔ ایشور کے رحم وانصاف میں اب اسے کوئی شک نہ تھا۔ روز سندھیا کرتا اور بلاناغہ گیتا پڑھتا۔"(۹)

پریم چند کے افسانوں میں خدا اور ایشور کا نام کثرت سے ہے لیکن پھر اس کو احساس ہوتا ہے کہ دونوں ایک ہی ذات کے نام ہیں، ایشور بھی اسے نوازتا ہے اور خدا بھی کیوں کہ وہ ذات واحد ہے جس نے انسان کو پیدا فرمایا اور اس کی مشکلات کا سامان بھی مہیا کر دیا یعنی کائنات کی صورت میں اس کو غور فکر کر کے اپنی مشکلات پر قابو پانے کا سامان مل گیا۔ ان کے افسانوں میں ہمدردی اور انسان دوستی کے ذریعے ایسے افراد سے وابستگی پیدا ہو جاتی ہے جو اعلیٰ صفات کی وجہ سے ہر دلعزیز ہوتا ہے اور یہ انسان اپنی اپنی صفات کو استعمال کر کے دوسرے لوگوں کے باطن تک پہنچنے کے گر خوب جانتا ہے۔ جیسا کہ پریم چند نے اپنے افسانوں کے ذریعے یہ گر دکھائے ہیں۔

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

اب آہستہ آہستہ افسانے نے اپنا رنگ بدلنا شروع کر دیا تھا کیوں کہ یہ دور افراتفری کا دور تھا ہر طرف فساد شروع ہو گئے۔ یہاں صوفیا کرام نے خانقاہیں قائم کیں وہیں ادیبوں نے بھی اپنی قلم کا رخ مذہب کی طرف موڑ لیا، یہ تقسیم ہند کا زمانہ تھا۔ اس ضمن میں ڈاکٹر راحیلہ بشیر اپنی تصنیف "اُردو افسانے میں خیر و شر کا تصور (قیام پاکستان کے بعد)" میں لکھتی ہیں:

> "اردو افسانے میں انسانی اقدار کے حوالے سے جو حقائق منکشف کیے گئے ان میں تقسیم ہند کے نتیجے میں وقوع پذیر ہونے والے اثرات کے حوالے بھی جا بہ جا ملتے ہیں۔ اس سیاسی معاشی، معاشرتی، تاریخی اور جغرافیائی تبدیلی نے افسانہ نگاروں کے نظریات پر بھی نمایاں اثرات مرتب کیے۔"(۱۰)

ان اثرات کے پیش نظر افسانہ نگاروں نے ایک دم اپنے افسانوں کا رخ مذہب کی طرف موڑ دیا لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان میں معاشرتی حالات و واقعات تقسیم ہند کے تناظر میں پائے جاتے ہیں۔ ان افسانوں میں فسادات، قربانیاں، مایوسی، نفسیاتی مسائل کے رجحانات پائے جاتے ہیں اور مقصد صرف ایک یعنی آزادی کی جدوجہد اور اس جدوجہد کے سلسلے میں ہونے والی نفسا نفسی نے تاحیات اپنے نقوش چھوڑ دیے۔ ۱۹۴۷ء کے سانحے کے بعد یہ حقیقت سامنے آگئی تھی کہ ہند اسلامی تہذیب دو مختلف تہذیبوں کا مرقع ہے اس طرح دو قومی نظریے کی بنیاد پڑی کیوں کہ دونوں تہذیبوں میں فرقہ وارانہ فرق سامنے آجاتا ہے اس نقطہ نظر کے پیش نظر دونوں تہذیبیں ایک دوسرے کی دشمن بن جاتی ہیں اس لحاظ سے ان افسانہ نگاروں نے ایسی تحریریں لکھیں جس میں تصوّف اور مذہب کے موضوعات جگہ جگہ دکھائی دیتے ہیں۔ ان فسادات سے لوگ تنگ آچکے تھے افسانہ نگاروں نے ان کی ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے مذہب و تصوف کے موضوعات کو اپنے افسانوں میں داخل کرنا شروع کر دیا۔ منٹو نے سب سے پہلے اپنے افسانوں میں دوستی کے موضوعات کو داخل کیا۔ منٹو نے اگرچہ جنسی موضوعات پر بھی افسانے لکھے لیکن مذہب اور اخلاق پر منٹو کی تحریریں ایک اہم کارنامہ ہے۔ اس نے اپنی تحریروں میں ایسے انسان اجاگر کیے جو مذہب اور معاشرے میں رہتے ہوئے اندر خاص قسم کی صفت رکھتے ہیں۔ منٹو کا افسانہ خالی بوتلیں خالی ڈبے، اپنے اندر تصوف کے رجحانات لیے ہوئے ہے:

> "رام کھلاون نفس کی آواز سنتا ہے لیکن پھر اس کا ضمیر جاگتا ہے اس لمحے وہ ڈنڈا جو اس نے اپنے محسن کو مارنے کے لیے اٹھایا تھا اس کے ہاتھ سے گر پڑتا ہے۔"(۱۱)

رام کھلاون شراب کے نشے میں چور اپنے محسن کی جان کے درپے ہو جاتا ہے کیوں کہ انسان کی جبلت میں بدلہ لینا شامل ہے لیکن ضمیر کی آواز جو انسان کے اندر موجود ہوتی ہے اس کو غلط کام سے ضرور روکتی ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ لوگ اس کو سننا ہی نہیں چاہتے کیوں کہ ایسا کرنے پر نفس اس کو مجبور کرتا ہے لیکن اگر وہ نفس کو دبا کر ضمیر کی آواز سنے گا تو اس سے برائیوں کے سرزد ہونے میں کمی واقع ہو گئی اور ایک وقت ایسا آئے گا کہ اس کو اچھائی اور برائی کا فرق واضح نظر آنے لگے گا۔ یہی بات منٹو کے اس افسانے میں واضح رام کھلاون کو اپنے محسن کا احسان یاد آتا ہے تو اس کا نشہ اترتے ہی اندر کا انسان جاگتا ہے اور وہ رونے لگتا ہے۔ اس سلسلے میں پروفیسر گوپی چند نارنگ اپنی تصنیف " اردو افسانہ روایت اور مسائل" میں رقم طراز ہیں:

> "وہ متمدن سماج میں انقلاب، مطلق العنان، زیادتی، جبر و تشدد، قنوطیت کو راہ دیتا ہے اور نہ رجائیت کو۔ وہ چاہتا تو جدید دور کے ولی پیدا کر سکتا تھا لیکن اس کا جواب سوائے دردمندی اور کریم النفسی کے کچھ نہیں منٹو کے یہاں یہ اقدار ملتی ہیں اور اولیا کے ہاں فطرت کی پاکیزگی۔"(۱۲)

منٹو انسانی فطرت کا اس انداز سے مشاہدہ کرتا ہے کہ ضروری نہیں کہ ہر کام انسان کی مرضی کے مطابق ہو اور بعض دفعہ انسان اپنی مرضی کے مطابق بھی کام کر کے بے چین رہتا ہے۔ کیوں کہ اس کا ضمیر اس کو ملامت کرتا رہتا ہے اور اگر انسان کسی بھی مجبوری کے بغیر کوئی اچھائی پیش کرتا ہے تو اس کے پیچھے بھی راز کا ہونا ایک لازمی امر ہے۔ اس افسانے میں باسط جس کی شادی سعیدہ سے زبردستی کر دی جاتی ہے تو وہ انسانیت اور ہمدردی کے پیش نظر اس کا خیال رکھتا ہے اس وجہ سے اس کے اندر بے شمار خوبیاں پیدا ہو جاتی ہیں جو اس کو انسانیت کے درجے سے اوپر لے جاتی ہیں۔ جس کی وجہ سے اس کے دل میں دردمندی کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ اس میں ایروز اور تھانہ کی فطرت اور عادات کا تقابل بیان کیا گیا ہے کہ ایک کے اندر دردمندی ہے تو دوسری کے اندر سودمندی۔ منٹو کے اس کردار کا اگر جائزہ لیا جائے تو ان کے اندر روحانیت کا جذبہ جاری و ساری نظر آتا ہے لیکن اس کے برعکس منٹو ان جذبات

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

کو دردمندی اور ایثار نفسی قرار دیتا ہے۔

ان کے بعد راجندر سنگھ بیدی کے افسانوں میں تخیل اور جذبات کو عقل اور ادراک کی گہرائیوں سے محسوس کیا گیا ہے جس میں ایسا انسان دکھائی دیتا ہے جس کے دل میں دوسروں کے لیے نرمی اور دردمندی کا احساس پایا جاتا ہے۔ بیدی حالات وواقعات کا سرسری نگاہ سے جائزہ لینے کے عادی نہیں۔ بلکہ اس کی گہرائی میں ڈوب کر عمیق نظری سے مشاہدہ کرنے کے عادی ہیں اس لیے یہ مشاہدہ ہیجان واضطراب پیدا کر دیتا ہے لیکن ان کے افسانوں میں نفسانفسی کے باوجود گہرائی اور سکون نظر آتا ہے۔ بیدی نے کرداروں کے پیچھے سچائی کی تصویر کو دکھایا ہے اور اس میں تنوع اور گہرائی جابجا دکھائی دیتی ہے۔ انھوں نے اپنے افسانوں میں ہندو گھرانوں کی کہانیوں کو اپنی فکر اور خیال کا محور بنایا ہے۔ اس بارے میں پروفیسر وقار عظیم اپنی تصنیف "نیا افسانہ" میں لکھتے ہیں:

> "بیدی نے انسانی کردار کو جذبات اور تخیل کے جس دائرے میں چلتا پھرتا دکھایا ہے اس کے پیچھے ہر جگہ سچی زندگی کا پس منظر ہے اور یہ پس منظر کسی جگہ کھوکھلا یا سپاٹ نہیں۔ اس میں تنوع کی رنگینی بھی ہے اور نظر کی گہرائی بھی۔"(۱۳)

بیدی کے افسانے کئی چیزوں کے خمیر سے مل کر بنے ہیں۔ ان میں گہری جذباتیت، رنگین خیالی، کرداروں کا نفسیاتی رویہ، سچائی کا تاثر پایا جاتا ہے۔ بیدی کے افسانوں میں دو پہلو نمائیاں نظر آتے ہیں ایک پہلو کا تو کہانی سے تعلق ہوتا ہے لیکن دوسرے پہلو کا انسان کے اندر گم ہو کر اس کے جذبات واحساسات کو محسوس کرنے کا عمل ہے۔ بیدی کے افسانوں میں نا صرف افراد کی نفسیات کا تاثر نظر آتا ہے بلکہ اس کے ساتھ ساتھ سماجی انفرادیت بھی پائی جاتی ہے ان کی سوچ اور فکر اسی وجہ سے دوسرے افسانہ نگاروں سے ممتاز کرتی ہے۔ وہ کرداروں کے جذبات واحساسات کا اس انداز سے تجزیہ کرتے ہیں کہ ان کے افسانوں میں گہرائی اور دلآویزی پیدا ہو جاتی ہے اور یہ جذبہ نہ صرف کہانی کی حد تک معلوم ہوتا ہے بلکہ یہ زندگی کا اصل معلوم ہوتا ہے۔ ان کے افسانوں میں محبت، ہمدردی، دوسروں کی خدمت اور اگر کوئی مشکل میں ہے تو اس کو اس مشکل سے نکالنے کے لیے تگ ودو کرنا بنیادی موضوعات ہیں۔

حیات اللہ انصاری کے افسانوں میں بھی تخیل، فکر اور مشاہدہ مناسب مقدار میں پائے جاتے ہیں ان کے افسانوں میں فرق کسی جگہ بھی نظر نہیں آتا۔ یہ بات بہت اہمیت کی حامل ہے کہ لکھنے کے لیے تجربہ اور مشاہدہ بہت ضروری ہے اور پھر یہ تخیل سوچ فکر اور مشاہدہ آہستہ آہستہ ترقی کرتا ہوا تصوف کی راہ میں چلنا شروع کر دیتا ہے۔ اختر جمال کے افسانوں میں بھی بعض ایسے افسانے ہیں جس میں جاگیر داری نظام کو دکھایا گیا ہے اور اس میں ایک کردار ایسا ضرور ہوتا ہے جو نیک سیرت اور مذہبی ہوتا ہے اس عقیدے کی وجہ سے مشکل مرحلے بھی آتے ہیں لیکن اللہ پر پختہ یقین کے سبب سب مشکلات حل ہوتی جاتی ہے۔ اس سلسلے میں پروفیسر وقار عظیم اپنی تصنیف "نیا افسانہ" میں لکھتے ہیں:

> " حیات اللہ انصاری کا ہر افسانہ چاہے وہ انوکھی مصیبت کی طرح کا معمولی افسانہ ہو اور خواہ آخری کوشش اور پرواز کی طرح بلند بامعنی اور لطیف مشاہدے کی باریک بینی کا مظہر ضرور ہے۔"(۱۴)

حیات اللہ انصاری کے افسانوں میں یہ خوبی ہے کہ کردار اور کہانی چاہے معمولی ہوں یا اہم لیکن ان میں گہرائی تلاش کر کے ایک ایک ذرے کی کھوج لگاتے ہیں جس کی وجہ سے افسانوں کی تکمیل ہو جاتی ہے جو فکر کے مراحل کو جنم دیتے ہیں۔ یہ افسانے اپنے اندر طاقت اور قوت لیے ہوئے ہیں جس سے تخیل کی ایسی منزل پیدا ہوتی ہے جو ستاروں سے بھی آگے علم حاصل کرنے کے لیے بے چین ہے۔ یہ ضروری نہیں کہ ان افسانوں میں مذہبی رنگ بھی نمائیاں ہو لیکن ان کے بعض افسانوں میں جو کردار نظر آئے ہیں ان کے اندر اعلیٰ قسم کی صفات پائی جاتی ہیں جو عام افراد کا مظہر معلوم نہیں ہوتا بلکہ وہ روحانیت کی ایک کڑی معلوم ہوتی ہے۔

رشید جہاں نے مذہب کی نفی کرنے والے موضوعات پر بھی افسانے لکھے یعنی جس طرح "انگارے" میں مذہب کے خلاف الفاظ کا استعمال کیا گیا ہے اسی طرح ان کے افسانہ "سودا اور استخارہ" میں بھی کردار مذہب کے نام پر خواہشات کی تکمیل میں مگن دکھائی دیتے ہیں۔ اس طرح افسانہ "سڑک" اس میں مذہبی پیشواؤں کی تقاریر کا بیان ہے۔ اس افسانے میں ایک کردار شگفتہ جو کہ اپنی مسلمان سہیلی کو خط کے ذریعے ان مذہبی پیشواؤں کی تقاریر اور مذہب کے لیے قربان ہونے والے شہدا کا ذکر کرتی ہے۔

رشید جہاں نے چوں کہ اپنے افسانوں میں ہندو اور مسلمان کرداروں کے مباحث اور پھر صلح رحمی کا منظر دکھایا ہے لیکن اس دور میں تو ایسا ناممکن تھا کیوں کہ اس وقت ہندو مسلم فسادات عروج پر تھے۔ "غریبوں کا بھگوان" اس افسانے میں رشید جہاں نے ایک غریب عورت دُرگا کا حال بیان کیا ہے کہ جب اس کے شوہر کی وفات ہو جاتی تو کسی میں بھی مذہبی ہمدردی نظر نہیں آتی اس دکھ کو برداشت کرنے کے بعد وہ مندر جاتی ہے کہ شاید سیٹھانی جی کوئی ہمدردی دکھائے۔ اس کے باوجود کہ سیٹھ جی جو اس کے بیٹے کے قاتل بھی ہیں وہ

ISSN Online : 2709-4030
ISSN Print : 2709-4022
Vol.7 No.4 2023

غریبوں کی مدد کرنا گناہ سمجھتے ہیں۔

ایک تو شوہر کا غم دوسرا بیٹے کا غم اور تیسرا افلاس اس لمحے وہ مندر سے ناامید ہو کر مسجد کا رخ کرتی ہے درگاہ مولوی سے سوال کرتی ہے کہ آخر اوپر والے نے کیوں امیر غریب بنائے حالانکہ اس کے لیے تو سب برابر ہیں لیکن مولوی اس سوال کا جواب نہیں دیتا تو تو در گا گرجا گر کا رخ کرتی ہے تو وہاں درس وتدریس کا کام جاری ہوتا ہے اور وہ نصیحت کر رہا ہوتا ہے کہ غریبوں کو مسیح اور اپنے بھگوان کا شکر ادا کرنا چاہیے یعنی ہر حال میں انسان کے اندر شکر گزاری کا پہلو نمایاں ہو گا تب ہی وہ اعلیٰ مقام و مرتبہ حاصل کر سکتا ہے۔ رشید جہاں نے اپنے اس افسانے میں مختلف مذاہب کی تصویر دکھائی ہے اور پھر اس متصوفانہ مرکز کو اجاگر کیا ہے۔ دشواریاں اور تکلیفیں برداشت کر کے ہی انسان اعلیٰ مرتبے پر فائز ہو سکتا ہے۔

اس طور پر یہ کہا جا سکتا ہے کہ اُردو کے مختلف افسانوں میں آغاز تا قیام پاکستان صوفیانہ عناصر کی پیش کش پاکستان کا تہذیبی منظر نامہ نہایت اہمیت کا حامل ہے جو عالمی اثرات جذب کرنے کے ساتھ ساتھ حالات وواقعات کو تہذیبی و سماجی شکل میں خوبصورت انداز میں پیش کرتے ہیں۔ یہ بات حقیقت بیان کرتی ہے کہ افسانہ نگاروں کے خوبصورت انداز سے تصوف کے اثرات نمودار ہونے لگے بہت سے افسانہ نگاروں نے پہلے سیاست اور افراتفری پر قلم اٹھایا لیکن آہستہ آہستہ ان کی تحریروں میں روحانیت کی جھلک نظر آنے لگی۔ تقسیم ہند کے موضوعات کو حوالہ بناتے ہوئے مختلف افسانہ نگاروں نے محبت، نفرت، تعصب، جانبداری اور مثبت اور منفی پہلو کے پیش نظر لکھنا شروع کر دیا۔ ان پہلوؤں میں کردار آہستہ آہستہ شریعت کی منازل طے کرنے لگتے ہیں اور ایک وقت ایسا آتا ہے کہ کردار اپنے آپ سے بیگانے ہو جاتے ہیں۔ انھیں کچھ خبر نہیں رہتی کہ وہ کون ہے اور کیا ہے یا پھر بعض دفعہ کردار بغیر کسی مفاد کے صرف اللہ کی رضا کے لیے خدمت خلق کرتے ہیں اور ایسا کرنے سے سکون محسوس کرتے ہیں۔ جس وقت انسان اپنے نفس کو کچل دیتا ہے تو اس کو ذات باری تعالیٰ کے جلوے دکھائی دیتے ہیں، اس کے اندر جو میں کی جنگ نفس کی وجہ سے جاری ہوتی ہے وہ دم توڑ دیتی ہے۔

اشفاق احمد کے افسانے "انا کی موت" میں چاشنی اور گہرائی ہے۔ انھوں نے اس افسانے کے ذریعے ذات خداوندی کا کرشمہ دکھایا ہے کہ سب سے بڑی ذات تو بے شک اللہ کی ہی اس کے قبضہ قدرت میں کائنات کا ذرہ ذرہ ہے۔ اس افسانے میں مذہب میں ڈوبے ہوئے ان افراد کی داستان بے نقاب ہوتی ہے جو انا کے جھوٹے فریب میں مشغول ہو کر اس فانی دنیا میں سمجھتے ہیں کہ بس دنیا کا ہر ذرہ ان کے اشاروں کا محتاج ہے لیکن وہ یہ بات بھول جاتے ہیں کہ ان کو پیدا کرنے والی ذات بھی موجود ہے۔ وہ چاہے تو ایک لمحے میں سب کچھ ختم کر دے۔ احمد ندیم قاسمی کا افسانہ "پرمیشر سنگھ" محبت اور نفرت کے جذبات میں نظر آتا ہے ہجرت کے دوران پرمیشر سنگھ کا بیٹا کرتار اسنگھ گم ہو جاتا ہے لیکن وہ اختر کو سکھوں کے قبضے سے چھڑوا کر گھر لے آتا ہے، اس کو بہت پیار کے ساتھ رکھتا ہے لیکن سکھوں کے دلوں سے نفرت کے جذبات ختم کرنے اور اپنی بیوی اور بیٹی کو بدلنے کی بہت کوشش کرتا ہے مگر یہ نفرت تھی کہ زور پکڑ رہی تھی۔ احمد ندیم قاسمی اپنے افسانے "پرمیشر سنگھ" میں رقم طراز ہیں:

> "ایک روز اختر کو تیز بخار ہو گیا تو وہ پرمیشر سنگھ کی بیٹی امر کور سے پانی مانگتا ہے لیکن امر کور نے بھنویں سکیڑ کر اس کو گھور کر دیکھا اور اپنے کام میں جٹ گئی۔ اختر بلک بلک کر رونے لگا آج اس نے مدت کے بعد اماں کو یاد کیا پرمیشر سنگھ جب اختر کی دوا لے کر آیا تو امر کور بھی رونے لگی اور اپنی ماں سے کہنے لگی کیوں پانی پلاؤں کرتار ابھی تو کہیں اسی طرح پانی مانگ رہا ہو گا کسی سے کسی کو اس پر ترس نہ آئے تو پھر ہمیں کیوں ترس آئے اس پر لیکن پرمیشر سنگھ اپنی بیوی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اختر کو پیار سے سمجھاتا ہے کہ یہ بھی تمہاری ماں ہے نہیں اختر بڑے غصے سے بولا یہ تو سکھ ہے میری اماں تو پانچ وقت کی نماز پڑھتی ہے اور بسم اللہ کہہ کر پانی پلاتی ہے۔"(۱۵)

پرمیشر سنگھ سکھ مذہب سے تعلق رکھنے کے باوجود ایک نیک دل انسان کی صورت میں نظر آتا ہے وہ اختر سے تلاوت بھی سنتا ہے اور اختر سورت اخلاص کی تلاوت کرتا ہے اختر کے واپس وطن کے مطالبے پر پرمیشر سنگھ پریشان ہوتا ہے اس کو اختر سے دلی رغبت پیدا ہو گئی تھی۔ سکھ مذہب کے لوگ شرط رکھتے ہیں کہ ہم اسی صورت اس کو قبول کریں گے اگر وہ مکمل طور پر سکھ مذہب کو اپنا لے گا لیکن پرمیشر سنگھ اختر کو مجبور نہیں کرنا چاہتا کہ وہ اپنا مذہب بدلے کیوں کہ وہ جانتا تھا کہ جو اس کے بیٹے گم ہونے کی وجہ سے اس کے دل کی حالت جیسی ہے کہ اختر کے والدین کی حالت بھی ایسی ہی ہو گی۔ پرمیشر سنگھ سوچتا ہے کہ وہ ایسا ہرگز نہیں کرے گا تاکہ اس کے بیٹے کو بھی آزادانہ سکھ کی زندگی گزارنے کی اجازت ہو لیکن سماج کے مجبور کرنے کی وجہ سے وہ اختر کا مذہب بدلتا ہے۔ جب افسانے میں اختر مسجد سے اذان کی آواز سنتا ہے تو بہت خوش ہوتا ہے یہ بات سامنے آتی ہے کہ رسم ورواج روح کو یعنی انسان کے

باطن کو بدلنے سے قاصر ہے۔ سکھ لوگ کوشش تو کرتے ہیں کہ اختر اپنا مذہب بدل لے لیکن اگرچہ وہ ایک مسلمان تھا اس کو گوارہ نہ تھا کہ وہ درم شالہ جائے۔ اس افسانے میں مذہبی تعصب کو بیان کیا گیا ہے۔ اختر اس لیے ان کی بات نہیں مانتا کیوں کہ اس کے دل میں اللہ کا ڈر موجود ہے اور اس کے اندر کا انسان اس کو سوچنے پر مجبور کرتا ہے کہ وہ قیامت کے روز اپنے اللہ کو کیا منہ دکھائے گا۔

حوالہ جات

۱۔ انوار احمد، ڈاکٹر، اردو افسانہ ایک صدی کا قصہ، ص:۴۵

۲۔ راشد الخیری، علامہ، شہید مغرب کے افسانے، سیاہ داغ، دہلی: محبوب الطابع برقی پریس، س ن، ص:۶۲

۳۔ وقار عظیم، سید، پروفیسر، نیا افسانہ، ص:۱۶

۴۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر تاریخ، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان پاکستان، ایڈیشن اول، ۱۹۹۱ء، ص:۳۷۰

۵۔ محمد حامد، ڈاکٹر، اردو افسانے کا ارتقا، لکھنؤ: نظامی پریس، ۱۹۸۶ء، ص:۱۳۵

۶۔ نیاز فتح پوری، مجموعہ، جمالستان، حیدر آباد: عبد الحق اکادمی، ۱۹۴۴ء، ص:۶۸

۷۔ نارنگ، گوپی چند، پروفیسر، اردو افسانہ روایت اور مسائل، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء، ص:۷۵۔۷۶

۸۔ ایضاً، ص:۷۱

۹۔ پریم چند، مجموعہ منشی پریم چند افسانہ: قہر خدا کا، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۲ء، ص:۶۷۰

۱۰۔ راحیلہ بشیر، ڈاکٹر، اردو افسانے میں خیر و شر کا تصور (قیام پاکستان کے بعد)، لاہور: بی پی ایچ پرنٹرز، ۲۰۱۵ء، ص:۹۶

۱۱۔ منٹو، سعادت حسن، منٹو کے افسانے، مجموعہ، خالی بوتلیں خالی ڈبے، افسانہ رام کھلاون، دہلی: ساقی بک ڈپو، س ن، ص:۳۶۰

۱۲۔ نارنگ، گوپی چند، پروفیسر، اردو افسانہ روایت اور مسائل، ص:۲۲۱

۱۳۔ وقار عظیم، سید، پروفیسر، نیا افسانہ، ص:۸۸

۱۴۔ ایضاً، ص:۹۶

۱۵۔ قاسمی، احمد ندیم، پرمیشر سنگھ، لاہور: سنگِ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء، ص:۴۳